ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر انور علی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور

اختر علی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج کبل سوات

ڈاکٹر روح الامین

لیکچرار، شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

اشعر نجمی کے ناول "جوکر" کی شعریات

Dr. Anwar Ali
Assistant Professor, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar.
Akhtar Ali
Assistant Professor, Department of Urdu, Dr. Khan Shaheed, Govt: Degree College Kabal.
Dr. Rooh Ul Amin
Lecturer, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar.

The Poetics of Ashar Najmi's Novel "Joker"

(Abstract)
Ashar Najmi is a famous novelist of India. His novel Joker was published in 2022. In this article, research review of the novel Joker has been taken at poetics level. The main theme of the novel is the scheme to play sexual activity. The text of the novel also presents a story of moral crisis. The game was planned, the game was played, the game was enjoyed, and the game was disappointed. Playing with the text of the novel, the reader sees the sparks of India's thousand years of civilization flying under the surface of the language. This study attempts to show cultural, social and moral influence on the language and as a result poetics of the area is formed which shape literary writings.

Key Words: *Joker, Cultural, Social, Moral Influence, Theorize.*

"ناول میں زندگی کی حقیقی عکاسی کی جاتی ہے" یا "ناول میں حقیقی زندگی کی عکاسی کی جاتی ہے" بیانیے دو مگر مفہوم ایک ہے۔ یہاں دار و مدار "عکاسی" پر ہے۔ "زندگی کی حقیقی" یا "حقیقی زندگی کی" محض بے جان دال signifierہیں جن کی تفہیم "عکاسی" جیسے مدلولsignified کی رہین منت ہے۔ زندگی کی حقیقی عکاسی میں زبان، عمل پر غالب ہوتی ہے (جیسے کہ اس ناول میں ہے)۔ اس کے برعکس حقیقی زندگی کی عکاسی میں عمل، زبان پر حاوی ہو گا۔ زبان یہی کھیل کھیلا کرتی ہے۔ زبان کی مختلف ساختوں کی رد تشکیل اور پھر دوبارہ تشکیل سے معانی کی کئی جہات سامنے آتی رہتی ہیں۔ ڈاکٹر شافع قدوائی کے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے:

> "ادب، علی الخصوص فکشن میں روزمرہ کے واقعات اور مانوس تجربات کا التباس اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اکثر افسانہ اور ناول کو خارجی حقیقت کا ترجمان اور داخلی کوائف کے اظہار کا ایک فنی معروض تسلیم کیا جاتا ہے اور اکثر کرداروں کے اعمال و افعال اور مکالموں سے حقیقی زندگی سے مطابقت کی تلاش کی فنی تعیین قدر کا اساسی حوالہ متصور کی جاتی ہے۔ اردو میں مروجہ فکشن تنقید، بعض استثنائی مثالوں سے قطع نظر اس کی تفصیل پر گواہ ہے۔ تاہم یہ جزوی صداقت ہے کہ فن کی دنیا میں سچائی وہ نہیں ہوتی جو بدیہی طور پر نظر آتی ہے۔"(۱)

بات دراصل "جوکر" کی ہو رہی تھی۔ "جوکر" اشعر نجمی کا وہ ناول ہے جو بقول ان کے سب سے پہلے تخلیق مگر آخر میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ ایک مختصر سا ناول ہے جو بمشکل ۱۶۰ صفحات اور آٹھ مختصر ابواب کو محیط ہے۔ یوں شائد اسے ناولٹ کہنا ہی زیادہ مناسب ہو۔ اشعر نجمی نے اس ابہام کو دور کرتے ہوئے ناول کے دیباچے میں خود اسے ناول / ناولٹ لکھ کر اظہار خیال کیا ہے۔(۲)

ناول کا مرکزی کردار کشیپ صاحب ہے جو ریلوے انجنیئر ہے۔ ان کی بیگم سمن گھریلو ہندوستانی خاتون ہے۔ جب اس کا تبادلہ ممبئی ہو جاتا ہے تو وہاں اس کی دوستی جوہر نامی شخص سے ہو جاتی ہے جو میرین انجنیئر کے طور پر اپنا تعارف کراتا ہے۔ کشیپ اور جوہر دونوں انجنیئر کالونی میں رہتے ہیں۔ کشیپ نے جوہر کے گھر کی چھت پر جس خاتون کو دیکھا تھا اس کا نام میرو ہے۔ بٹ صاحب اس کالونی کا رکھوالا ہے۔ اس کا کام نئے آنے والوں کے نام کو ارٹر جاری کرانا اور ان کی رہ نمائی کرنا ہے۔ ہر ایک پر نظر اور پل پل کی خبر رکھنا اس کا مرغوب مشغلہ ہے۔

یہ ناول کشیپ اور جوہر کے مابین کھیلے جانے والے ایک کھیل پر مشتمل ہے جس کے تحت دونوں طے کر لیتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی بیگمات کے ساتھ رات گزاریں گے۔ چونکہ بیگمات اس عمل کے لیے قطعاً راضی نہ

ہوں گی اس لیے اس سے نمٹنے کے لیے انھوں نے منصوبہ بنایا کہ انھیں انجان رکھا جائے۔ کشیپ اور جوہر نے اس مسئلہ پر بھی غور کیا کہ چونکہ دونوں کے جسموں کی ساخت مختلف ہے اس لیے خواتین کو شبہ ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے طور پر انھوں نے ورزش اور ظاہری صورتوں میں تراش خراش کے ذریعے اتنی یکسانیت پیدا کرلی کہ کئی مرتبہ بٹ صاحب کشیپ کو جوہر اور جوہر کو کشیپ سمجھ بیٹھے۔ انھوں نے اس کھیل کو GPL یعنی Greatest Planned Luck کا نام دینا چاہا مگر کشیپ نے 'L' کی جگہ 'F' تجویز کیا جسے جوہر نے بے حد سراہا اور مرادی مفہوم کی جگہ متبادل مفہوم General Provident Fund پر غور کر کے اطمینان کا اظہار کیا۔ یہاں ڈی سوسئیر کا نشانیاتی نظام بھی واضح ہے اور دریدا کی لامرکزیت بھی۔ اس کھیل سے متعلق اشعر نجمی کہتے ہیں:

> "میں تو بس کھیلنا چاہتا ہوں اور ہر بار کھیل کے اصول بدل دینا چاہتا ہوں۔ میں جو کھم اٹھانا چاہتا ہوں، مجھے اس کھیل میں ہار جیت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف کھیلنا چاہتا ہوں۔ زیر نظر ناول بھی ایک "کھیل"(Play) ہی ہے، زبان کے اندر زبان کا کھیل، جس کے اصول میرے گزشتہ دو ناولوں سے مختلف ہیں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ آپ اسے پڑھتے ہوئے میری طرح اس کھیل سے لطف اندوز ہوتے ہیں یا نہیں، نہ بھی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے، یہ کیا کم ہے کہ آپ اس کھیل میں شریک ہو پائے۔"(۳)

مصنف کے اس دعوے کی کہ ان کے اس ناول کے اصول ان کے دیگر ناولوں کے اصول سے مختلف ہیں، مابعد جدید تنقیدی رویے میں کوئی حیثیت نہیں۔ اس دعوے سے ایک جملہ آگے وہ یہ دعویٰ بھی کر چکے ہیں کہ یہ ناول زبان کے اندر زبان کا کھیل ہے۔ یہ وہ دعویٰ ہے جس کی مابعد جدید تنقید ہمت افزائی کرتی ہے۔ زبان ہی وہ سرچشمہ ہے جس سے مختلف دھارے نکل کر ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں۔ کسی خطے کے تہذیبی، روایتی، معاشرتی، سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی شعریات کی تمام تر نشوونما اس خطے کی زبان کے اندر ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ناول کا سب سے پہلا شعریاتی نکتہ زبان کا ہے۔ زبان ایک کل ہے جو تمام شعریاتی عناصر کو اپنے اندر مجتمع رکھتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ مصنف نہیں لکھتا زبان لکھتی ہے۔

ناول کی شعریات کے حوالے سے دوسرا نکتہ ہندوستانی ماحول کا ہے۔ پردہ، حیا اور میاں بیوی کا ایک دوسرے تک محدود رہنا ہندوستان کی ثقافتی شعریات ہیں۔ یہاں کسی مرد کا دوسرے مرد کو بیگمات کی شراکت داری کی دعوت دینا تعجب خیز ہے۔ مگر ناول کے اس کھیل میں لاشعور کی دنیا کی بدولت یہ دعوت ممکن بن جاتی ہے۔ جب

ایک فرد دوسرے کو اپنے لاشعور کی بھیانک دنیا سے متعارف کراتا ہے تو مقابل فرد کو لاشعور کے اس آئینے میں خود اپنا لاشعور دکھائی دینے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک ماحول میں پرورش پانے والے تمام افراد کا لاشعور یکساں ہوتا ہے۔ ضرورت بس لاشعور کے اظہار کی ہے، پھر اس حمام میں سب ننگے ہوتے ہیں۔ اسے ہم ژونگ کے اجتماعی لاشعور سے بھی منسوب کر سکتے ہیں:

> "ایک بچہ جب کسی نسل میں جنم لیتا ہے تو حیاتیاتی اور تاریخی لحاظ سے بعض خصائص اور اوصاف اسے اس بنا پر ورثہ میں ملتے ہیں کہ وہ اس مخصوص نسل سے تعلق رکھتا ہے اور جیسے جیسے وہ بڑا ہوتا جائے گا تو اس کے ذاتی تجربات کے ساتھ ساتھ اجتماعی لاشعور کے بعض خصائص بھی شعور میں آتے جائیں گے۔"(۴)

کشیپ شادی شدہ ہے مگر وہ کچھ نیا کرنا چاہتا ہے۔ جوہر کے ساتھ مل کر اس نے جسم فروش عورتوں کے بدن کو چھونے کی کئی مرتبہ کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ملی بلکہ ایک مرتبہ تو پولیس چھاپے میں گرفتار ہو کر رسوا ہوئے۔ جب کشیپ کا کام کسی اور ذریعے سے نہ نکلا تو اس نے جوہر کے مکان کی چھت پر میرو کو دیکھ کر ارادہ کیا کہ وہ کھیل کھیل میں جوہر کو قائل کرلے کہ دونوں ایک دوسرے کی بیویوں کے بدن کی خوشبو سونگھ لیں۔ جوہر قائل ہو گیا کیونکہ یہ کھیل دراصل اسی کے ذہن کا اختراع تھا۔ کشیپ کی خواہش کی تکمیل کا امکان روشن ہو گیا مگر امکان کے باوجود ایک خوف ہے جو کشیپ اور جوہر کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس خوف سے نجات پانے کی خاطر دونوں طرح طرح کی آزمائشوں اور منصوبہ بندیوں سے گزر کر بالآخر متفق ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ ہندوستان کی بجائے آزاد خیال خطہ ہوتا تو شاید وہاں اس قدر خوف نہ ہوتا اور اتنے جتن بھی نہ کرنے پڑتے۔ شاید وہاں اس قسم کے کھیل کے لیے اتفاق رائے کی ضرورت بھی نہ پڑتی۔ جب ضرورتیں بلا روک ٹوک پوری ہوتی ہیں تو ایسے میں کسی کی شراکت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر کوئی اسے معمول کی سرگرمی سمجھتا ہے مگر جہاں انسانی جبلت کی تسکین نہیں ہوتی وہاں معاملہ کسی بھی انتہا تک جا سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب Survival کا سوال ہو تو پھر کسی اخلاقی ضابطہ پر عمل نہیں کیا جاتا اور یہ انسانی جبلت ہے۔(۵)

آخر کس چیز نے دو ہندوستانیوں کو اپنی اقدار و روایات سے بے گانہ کر کے اس قدر انتہائی اقدام پر مجبور کیا۔ متن سے جو شواہد ملتے ہیں، ان کے تحت میڈیا اور انٹرنیت کی رسائی نے انھیں اس انتہائی اقدام پر مجبور کیا۔ دونوں لیپ ٹاپ، موبائل اور انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ مثبت استعمال سمیت وہ ان اشیا کا منفی استعمال بھی کرتے

ہیں۔وہ ممنوعہ سائٹس پر جاتے ہیں اس لیے سائبر کرائم والوں نے انھیں گرفتار کر کے آئندہ محتاط رہنے کی تاکید کی۔ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے مشرقی اقوام کو ایک انتہا سے دوسری انتہا پر پہنچا دیا۔ یہ تیسرا اہم شعریاتی نکتہ ہے۔

سائنس، ٹیکنالوجی، سائبر نظام اور میڈیا کی برق رفتار ترقی کے پیچھے عالمی مقتدر طاقتوں کے مقاصد پوشیدہ ہیں۔ہندوستان کئی صدیوں سے ان کے زیر تسلط ہے۔پہلے برطانیہ کی کالونی رہا اور اب جبکہ احضاری نو آبادیاتی نظام سائبر نو آبادیاتی نظام میں ڈھل گیا تو بلاواسطہ امریکہ کی نو آبادی بن گیا۔برطانیہ ہو یا امریکہ دونوں کا مفاد سیاسی و معاشی تھا اور ہے۔ جس طرح برطانیہ نے سرمایہ نکال کر اپنے عظیم شہر بسائے بالکل اسی طرح امریکہ بھی ہندوستان کو اپنی منڈی بنا کر معاشی کھیل، کھیل رہا ہے۔ میڈیا کے ذریعے جائز و ناجائز اشیا اور مواد کی تشہیر کر کے اقوام عالم اور بالخصوص ہندوستانیوں کو جکڑا جا رہا ہے۔یہ سب کچھ ان کی ناقابل شکن طاقت کی بدولت ہو رہا ہے۔ مشل فوکو کے مطابق طاقت ہی متن یا زبان کی تشکیل کا باعث بنتی ہے۔طاقت بیانیے اختراع کر کے انھیں متن سموتی ہے:

> "مشل فوکو کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ 'متنیت' کے نظریے سیاسی اور سماجی طاقتوں اور آئیڈیالوجی کو معنی خیزی کے وسائل قرار دے کر ان کی حیثیت کو گھٹا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی ہٹلر، مسولینی، یا اسٹالن ایک پوری قوم کو اپنے حکم پر چلاتا ہے، تو ایسا 'ڈسکورس' کی طاقت کے ذریعے ہوتا ہے۔اس طاقت کے اثرات کو 'متن' تک محدود رکھنا مہمل بات ہے۔ فوکو کہتا ہے کہ اصل طاقت کا استعمال 'ڈسکورس' کے ذریعے ہوتا ہے، اور اس طاقت کے ٹھوس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"(۶)

کشیپ نے فیس بک پر عورت کے نام سے نقلی پروفائل بنالی اور جوہر کو گمراہ کرنے لگا۔ دونوں کے مابین اس قدر گرم بحث ہوئی کہ سارا ماحول گرم ہو گیا۔ جوہر سے یہ گرمی برداشت نہ ہو سکی اس لیے اس نے ایئر کنڈیشنڈ لگا لیا۔ کشیپ نے جنسی خواہش کے اظہار میں ایسی شدت سے کام لیا کہ جوہر خود پر قابو نہ رکھ سکا:

> "کشیپ صاحب جیسے جیسے جواب دیتے رہے، جوہر بے قابو ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنا بچا کھچا انڈر ویئر بھی اتار پھینکا اور وہیں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا ہوا ایک ہاتھ سے جلق لگانے لگا اور دوسرے ہاتھ سے پیغام ٹائپ کرنے لگا۔ "مجھے تم سے ملنا ہے جان۔"(۷)

ناول کے بیشتر کردار جوکر ہیں۔ انھوں نے اپنے باطن کو ایک مکھوٹے کی مدد سے چھپا رکھا ہے تاکہ باطن کی پستی ظاہر نہ ہو پائے مگر لاکھ کوشش کے باوجود یہ پستی کسی نہ کسی لمحے ضرور سامنے آتی ہے۔ کشیپ اپنی بیگم کے علاوہ دیگر خواتین سے بھی تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔ یہ اس کی اندر کی خواہش ہے۔ وہ دفتر کی ہر لڑکی کی جسمانی ساخت سے متاثر ہو کر اس کے متعلق جنسی رائے قائم کرلیتا ہے۔ ان پر جملے بھی کستا ہے اور کبھی کبھی تو دست درازی سے بھی نہیں چوکتا۔ اس کے برعکس مردوں کے درمیان بڑا بابا اصول بنا پھرتا ہے مگر تاڑنے والے بھی تاڑ لیتے ہیں۔ اس کا سریش نامی ماتحت اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہے مگر ماتحت ہونے کے ناطے خاموش رہتا ہے۔ جب کشیپ کا تبادلہ ممبئی ہو جاتا ہے تب سریش کو موقع ہاتھ آتا ہے اور وہ کشیپ کے اعزاز میں ہونے والی پارٹی میں اس کے چہرے کا مکھوٹا ہٹا کر اصل چہرہ سامنے لاتا ہے:

> "آپ سے ملیے، 'مسٹر اے کشیپ'، بی۔ ای، ایم۔ ٹیک (گولڈ میڈلسٹ)۔ انھیں اپنا ادھورا تعارف پسند نہیں۔ آپ ریلوے میں انجنیئر ہیں۔ خیر انجنیئر اور ڈاکٹر تو ہمارے ہاں ککرمتے کی طرح پائے جاتے ہیں لیکن کشیپ صاحب وضع قطع سے لے کر کردار و اطوار تک اللہ میاں کی ایسی بے مثل تخلیق ہیں جو دوبارہ اس سے کبھی سرزد نہیں ہوئی۔ عمر یہی کوئی ۳۵ کے آس پاس ہی ہوگی لیکن زبردستی کی سنجیدگی اور خود ان کی وضع کردہ ظاہری بناوٹ لوگوں کو ان کے نام کے آگے "صاحب" جوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے؛ صرف ان کے سامنے نہیں بلکہ ان کی غیر حاضری میں بھی، جیسا کہ ہم بھی یہاں مجبور نظر آتے ہیں۔"(۸)

سریش نے کشیپ کی انگریزی بولنے کو بھی تمسخر کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ اس کے انگریزی لہجے کو معرب، مفرس اور مہند جیسی اصطلاحات کے تحت "معنگرز" قرار دیتا ہے۔ کشیپ جھکی ہوئی نگاہوں سے سریش کے ہر وار کو سہہ لیتا ہے کیوں کہ اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ اس نے تو یہاں تک برداشت کر ڈالا جب سریش نے کہا کہ ان جیسوں کو تو ان کی بیویاں بھی سنجیدگی سے نہیں لیتیں۔ مگر اس کے بعد کشیپ اندر سے ٹوٹ گیا۔ اگرچہ وہ سریش کو بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کو گالیاں دینا چاہتا تھا۔ اسے مارنا چاہتا تھا مگر وہ ایسا کر نہیں سکتا تھا کیوں کہ سریش کی ہر بات سچ تھی۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا۔ خود کو اور سریش کو کوستا رہا۔ اس رات وہ شدید ذہنی تناؤ میں رہا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے اس نے سمن کی جانب رجوع کیا مگر اس نے بھی اس خاص لمحے

کے دوران ممبئی جانے کے اندیشوں کا اظہار کر کے کشیپ کا موڈ خراب کر دیا۔ کشیپ نے سارا نزلہ سمن پر گرا دیا مگر اس نے بھی ایسی بے توجہی سے جواب دیا کہ سریش کے الفاظ اس کے کانوں میں بری طرح گونجنے لگے:

"تم دس منٹ چپ نہیں رہ سکتیں؟ آدمی جا رہا ہے، پھر پتہ نہیں کب موقع ملے۔ سالا اتنی مشکل سے موڈ بناؤ اور تم۔۔۔

ہم کیا؟ ہم نے منع کیا؟ ہم پورا cooperate تو کر رہے تھے۔

کشیپ صاحب بس اپنی بیوی کو گھورتے رہ گئے۔ ان کے کانوں میں سریش کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح گرنے لگے۔۔۔ قطرہ قطرہ۔۔۔ ٹپ ٹپ ٹپ۔۔۔ 'آپ جیسے لوگوں کو ان کی بیویاں بھی سنجیدگی سے نہیں لیتیں۔' انھوں نے جلدی سے کمبل اپنے سر پر کھینچ لیا لیکن اس گھپ اندھیرے میں مسز کشیپ کا جملہ ان پر بجلی بن کر گرا۔

'چپ رہو تو کہیں گے کہ لاش جیسی پڑی رہتی ہو۔۔۔ بولو تو کہیں گے کہ کیوں بولتی ہو؟ نجانے کون سی پہیلی ہے جو پندرہ برسوں سے سلجھ ہی نہیں رہی ہے۔" (۹)

کشیپ کی طرح جوہر بھی ایک جوکر ہے۔ اس نے بھی اپنا چہرہ ایک مکھوٹے میں چھپا رکھا ہے۔ ایک معمولی ملازم ہو کر خود کو میرین انجنئیر ظاہر کرنے والا یہ شخص کس قدر چالباز تھا جس نے بڑے محتاط انداز میں کھیل کھیلا اور سب کچھ لوٹ کر ایسا غائب ہوا کہ کسی کے ہاتھ نہیں لگا۔ کشیپ کا خیال تھا کہ اس نے جوہر کو اپنے دام میں بری طرح پھنسا لیا ہے اور اس کی باتوں کے اثر سے وہ خواب گاہ بدلنے پر راضی ہو چکا ہے۔ کشیپ دل ہی دل میں خوش تھا اور خود کو ایک کامیاب کھلاڑی تصور کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو داؤ میں لگانے جا رہا ہوں۔ وہی جوہر بھی لگا رہا ہے۔ لہٰذا حساب برابر ہے۔ نہ میرا نقصان، نہ جوہر کا۔ جو فائدہ مجھے ہے وہی جوہر کو۔ اسے احساس تفاخر اس بات کا تھا کہ اس نے ایک ناقابل عمل فعل کو جوہر کے لیے قابل عمل بنا لیا اور اسی چیز کو وہ اپنی فتح سمجھ رہا تھا۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ جسے وہ میرین انجنئیر سمجھ کر اپنے برابر کا عہدیدار سمجھتا ہے، وہ دراصل ایک ادنیٰ ملازم تھا جس کے ہاتھوں اس کی عزت خاک میں مل گئی۔

میرو بھی ایک نقلی چہرہ سجائے ہوئے خود کو جوہر کی بیوی ظاہر کر رہی تھی۔ مگر جب کشیپ، جوہر اور میرو کی تلاش میں بھٹکتا ہوا میرو کو پا لیتا ہے تو میرو اسے حقیقت بتا دیتی ہے کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بلکہ کاروباری عورت ہے۔ جوہر نے پیسے دے کر اسے جھوٹ موٹ اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ کشیپ کھیل بری طرح ہار چکا تھا۔ اسے اپنے ہار کی

تو اتنی فکر نہ ہوتی مگر اس گھناؤنے کھیل میں اس کی معصوم اور انجان بیوی کو انجانے میں اس کی نالائقی کے سبب جو قربانی دینی پڑی، اس کے لیے شائد وہ زندگی بھر خود کو معاف نہ کر پائے۔

ناول کے کردار نفسیاتی محرکات کی بدولت ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اس ناول کا تیسرا شعریاتی نکتہ ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ لاشعور کو شعور کے تحت رکھا جائے تو منفی افعال کا احتمال کم سے کم ہوتا ہے اور اگر لاشعور کو بے لگام چھوڑ دیا جائے تو منفی افعال کے مواقع بڑھیں گے۔ گم راہی اور کج روی کے سبب جرائم بھی بڑھتے جائیں گے۔ بعض جرائم ظاہری اور کم تر درجے کے ہوتے ہیں جن کا ارتکاب معاشرے کے ان پڑھ اور غیر مہذب افراد کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ جبکہ بعض جرائم بڑے ہوتے ہیں اور یہ ان لوگوں کے ہاتھوں سرزد ہوتے ہیں جنھیں ہم مہذب اور صاحب علم تصور کرتے ہیں۔ کشیپ انجنئیر ہے۔ پڑھا لکھا اور مہذب طبقے سے تعلق رکھنے والا مگر جو جرم اس سے سرزد ہو جاتا ہے کسی ان پڑھ سے بھی اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ یہ دراصل پوری ہندوستانی سرزمین کی نفسیات ہے جہاں جنسی معاملات کو دبا کر رکھا جاتا ہے۔ جسے حقیقی زندگی میں جنسی خواہش کی تکمیل کا موقع نہ ملے وہ تخیلات کی دنیا آباد کر کے لاشعور کی مدد سے اس کی تکمیل کسی نہ کسی صورت میں کر ہی لیتا ہے۔ مختلف ذائقے چکھنا بھی جنسی کج روی کی ایک صورت ہے جس کا اثر سارے سماج پر نمایاں انداز میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کشیپ کو جنسی تکمیل کا سامان فراہم ہے مگر وہ اس پر قانع نہیں اور کچھ نئے کی جستجو میں لگا رہتا ہے جس کا نتیجہ اس کی توقعات کے خلافت بہت بھیانک نکلتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نفسیاتی ہے۔ یہاں بھی لاشعور کچھ نیا کرنے کے کرشمے دکھانا چاہتا ہے۔ یوں نفسیاتی شعریات کی بدولت ناول کا یہ سارا کھیل وجود میں آتا ہے مگر بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ نفسیات ، تحلیل نفسی اور اس کے تحت لاشعور کا تفاعل اپنی جگہ مگر ان کی حیثیت جزوی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نفسیات سماجی نظام سے بنتی ہے اور سماجی نظام زبان کے اندر ہوتا ہے۔ یوں کشیپ، جوہر اور میرو کا سارا کھیل زبان کے اندر تشکیل پاتا ہے اور زبان ہی کے ذریعے قاری تک پہنچتا ہے اور قاری زبان اور ڈسکورس کے تحت کھیل کی تفہیم کرتا ہے۔ ژاک لاکاں نے بھی ایغو کو زبان کے استعاراتی نظام کی دین سے تعبیر کیا ہے:

> "اس نے کہا ہے کہ فرائیڈ کی انسانی سائیکی کی تشکیل اس قدر صدمہ پہنچانے والی تھی کہ نتیجتاً اسکے بہت سے پہلوؤں کو ناپسندیدہ سمجھ کر دبا دیا گیا۔ لاکاں فرائیڈ کی جو نئی قرات پیش کرتا ہے، وہ محض تشریحی نہیں، بلکہ تائید اور تردید دونوں انتہاؤں کو پہنچتی ہے۔ وہ اِڈ (ID) کے تفاعل کو اہمیت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس سے لاشعور کے جو ہیجانات ابھرتے ہیں، وہ

ISSN(**Print**): 2709-9636 | ISSN(**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber2021)

ایغو کی آمریت، اختیار اور اثبات کے آگے سر نہیں جھکاتے۔ چنانچہ لاکاں کے نظام میں ایغو ایک جھوٹی تشکیل (CONSTRUCT) ہے جو زبان کے استعاراتی نظام کی دین ہے کیونکہ اپنے چھٹ پنے کے تجربوں کی وجہ سے ہم یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم کوئی مستقل شناخت(IDENTITY) رکھتے ہیں،حالانکہ لاکاں ایغو کی مرکزیت کو تسلیم نہیں کرتا۔"(۱۰)

ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ ایغو کا وجود زبان کے دم سے ہے۔ محض ایغو ہی کیا، تمام نفسیاتی نظام بشمول لاشعور کی تشکیل زبان کرتی ہے۔ تحلیل نفسی کے دوران کیے جانے والے تجزیوں میں ایغو کی کارکردگی زبان ہی کے وسیلے سے سامنے آتی ہے۔ ایغو دراصل زبان کی پرچھائی ہے۔ جو کر بھی ایک پرچھائی ہے جو کر کا لاشعور یا اِڈ بھی ایک پرچھائی ہے۔ اصل کھیل تو زبان کھیل رہی ہے کہ جہاں جس شعریاتی پتے کی ضرورت ہوتی ہے وہی پھینکتی ہے۔ فرائڈ کا لاشعور مصنف اساس تجزیہ تھا جو مصنف کے تناظر میں متن کو پڑھتا جبکہ لاکاں نے لاشعور کو زبان کے عمل کے مترادف قرار دے کر فرائڈ کے نظریے کو(Theorize) کیا۔(۱۱)

ناول میں کچھ جدید اصطلاحات سامنے آتی ہیں جیسے: "معنگرز"، "چوتیم سلفیٹ" اور "ممبائیکر"۔ دیکھا جائے تو اردو والوں کے لیے یہ تینوں بالکل نئی اصطلاحات ہیں۔ نئی اصطلاحات کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ہندوستانی شعریات سے ماورا یا بے گانہ ہیں۔ مطلب بالکل یہی ہے مگر درست نہیں ہے۔ بے شک اصطلاحات نئی ہیں مگر ان کی نئی ساخت شعریات سے اخذ کی گئی ہے۔ یہ نکتہ بھی ذہن نشین کرالیا جائے کہ شعریات(کوڈز اور کنونشنز) کے تحت لفظ کی ساخت میں جس قدر جدت واقع ہوگی، مفہوم اسی قدر واضح ہوگا۔ "معنگرز"، معرب، مفرس اور مورد کی تقلید ہے پس اصطلاح کی بناوٹ شعریاتی سطح کی حامل ہے کیونکہ ثقافتی کوڈز کے ساتھ اس کا رشتہ منسلک ہے۔ کشیپ کا لہجہ اس قدر معنگرز کیوں ہے۔ اس لیے کہ وہ اس نوآبادیاتی خطے کا فرد ہے جو انگریزوں کی نوآبادیات رہ چکا ہے۔ دوم وہ تعلیم یافتہ ہے اور ہندوستان کا ہر تعلیم یافتہ فرد خود کو باقی معاشرے سے برتر سمجھتا ہے۔ انگریزی بولنے میں بھی اسے برتری کا احساس ہوتا ہے اس لیے انگریزی بولنا اپنے اولین حقوق میں سے سمجھتا ہے۔ اگر ہندوستانی تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی درست بول لیتا ہے تو بھی کسی حد تک ان کی انگریزی دانی کا خبط گوارا ہوتا ہے مگر جب کوئی فرد انگریزی بول نہیں سکتا اور بولنے کی واہیات کوشش کرتا ہے تو طبیعت منغض ہو جاتی ہے۔ تیسری بات یہ کہ کشیپ ریلوے انجنیئر ہے۔ انجنیئر ہونا اس کی نظر میں ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کا بچہ

بچہ ڈاکٹر یا انجنیئر بننا چاہتا ہے۔یوں لگتا ہے جیسے ہندوستانیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو پیشے ہوں ڈاکٹر اور انجنیئر۔شعریاتی سطح پر اس خطے کے باسی انجنیئرنگ کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کشیپ کو اپنی برتری کا احساس ہوتا ہے۔خود کو Cream of the nation سمجھتا ہے اس لیے انگریزی بولنا ان کے نزدیک ان کے پیشے کے آداب میں شامل ہے۔یہ سب باتیں اپنی جگہ درست سہی مگر کشیپ ایسی انگریزی بولتا ہے جسے سن کر اوروں کے سر شرم سے جھک جاتے ہیں:

> "سال کے بارہ مہینے وہ سفاری سوٹ میں نظر آتے ہیں۔اس استقلال کی ایک معمولی سی جھلک ان کے تیل سے چپڑے ہوئے سر کے بالوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے جو درمیان سے دو برابر حصوں میں کچھ اس طرح منقسم ہوتے ہیں کہ مجال ہے کسی حصے کو اپنی حق تلفی کا احساس ہو جائے۔انجنیئر ہیں تو ظاہر ہے پڑھے لکھے بھی ہوں گے۔انگریزی فر فر بولتے ہیں اور اس کمال معصومیت سے بولتے ہیں کہ سننے والے کو خواہ مخواہ گمان ہونے لگتا ہے کہ ہم نے غیر زبانوں کے الفاظ کو معرب، مفرس اور مہند کے ساتھ ساتھ "معنگرز" بھی کر لیا ہے۔ان کے خالص دیسی لہجے میں اس بدیسی زبان کی ماں بہن ہوتا دیکھ کر مخاطب کا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے کہ بالآخر ہم نے انگریزوں کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کو بھی دھول چٹادی۔"(۱۲)

چوتیم سلفیٹ CSO_4 کی اصطلاح ٹرین میں سفر کرنے والے نوجوان لڑکوں کی ہے۔اس کا استعمال لڑکوں نے کسی افسر کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہہ کر کیا کہ دس سال سے اس کے موبائل سکرین پر اس کی بیوی کی تصویر ہے جس کی وہ صبح شام درشن کرتا رہتا ہے۔ہماری سائنسی بلوغت بس اسی قدر ہے کہ سائنسی اصطلاحات کو جنسی اصطلاحات کے ساتھ ملا کر علامات وضع کریں۔جس معاشرے میں جنسی ہوس شدید ہو وہاں جنسی ضرورت کو محدود کرنے والوں کو چوتیم سلفیٹ کی اصطلاح سے یاد کیا جائے گا۔یہ بھی ممکن ہے کہ جنسی خواہش پر قابو نہ رکھنے والوں اور جنسی جذبے میں گم راہ ہونے والوں کے لیے "لنڈیم سلفیٹ" کی اصطلاح کا رواج ہو جائے۔جدید دور میں یہ رواج ہو چلا ہے کہ جو شخص کسی بات کو راز میں رکھنا چاہتا ہے تو کہتا ہے اس کام کی یا اس چیز کی اپنی ایک کیمسٹری ہے۔کیمسٹری کو اب جنسی راز لپیٹنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا ہے۔جس طرح کیمسٹری میں کیمیاوی مادوں کے درمیان تعاملات اور بانڈنگ ہوتی ہے،اسی طرح جنسی تعلق کو تعامل یا بانڈنگ سے مشابہہ کر کے جنس کو کیمسٹری

بنالیا۔ ہم نے سائنس کو بھی نہیں بخشا۔ اسے بھی جنس آلود کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ کشیپ جیسے لوگ مغربی اور یورپی لوگوں سے صدیوں پیچھے رہ گئے۔ لڑکوں کی گفتگو ملاحظہ کریں:

"کشیپ ساحب ٹرین کی اوپر کی برتھ میں لیٹے تھے، انھوں نے اپنے چہرے سے کمبل تھوڑا سا کھسکایا اور نیچے نظر ڈالی جہاں کچھ نوجوان لڑکے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

'چوتیا' مجھ پہ افسری کی دھاک جمارہا تھا۔ میں نے کہا کہ تو نے افسر بن کر کیا اکھاڑ لیا۔

دوسرے لڑکے نے لہک کے ٹکڑا لگایا، "میں بتاؤں، کیا اکھاڑا اس نے؟ افسری کے چکر میں اس کی شادی ہوگئی۔ ایک لونڈیا نے اس کو جنت کی سیر کرادی، ورنہ ان جیسوں کو زندگی میں ایک چانس ملنا بھی مشکل ہے۔

ایک لڑکے نے ہنستے ہوئے تائید کی،" صحیح بولا یار۔ دس سال سے اس کے موبائل کے اسکرین پر ایک ہی فوٹو لگی ہے؛ اس کی بیوی کی۔۔۔ صبح شام اسی کا درشن کرتا رہتا ہے۔۔۔ سالا بتاؤ اس سے بھی بڑا کوئی CSO_4 ہوگا دنیا میں"؟

CSO_4؟ یہ کیا ہے بے؟

"چوتیم سلفیٹ۔"(۱۳)

ممبائیکر کی اصطلاح بھی ممبئی شہر کی فضا، ماحول اور وہاں کی ثقافتی زندگی کی اختراع ہے۔ ممبئی ایسا شہر ہے جہاں صرف ممبائیکر افراد ہی کامیاب اور خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔ جو جتنا چالاک، فریبی، شاطر اور مکار ہوگا، اس شہر کے دن رات اس پر مہربان ہوں گے۔

ناول کا متن اخلاقی بحران کی کتھا بھی پیش کرتا ہے۔ کھیل کا منصوبہ بن گیا، کھیل کھیلا گیا، کھیل کا مزہ آیا، کھیل نے مایوس کیا۔ ناول کے متن سے کھیلتے ہوئے قاری زبان کی سطح کے نیچے ہندوستان کی ہزار سالہ تہذیب و تمدن کی دھجیاں اڑتے ہوئے دیکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر شافع قدوائی، فکشن مطالعات: پس ساختیاتی قرأت، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۹۱

۲۔ اشعر نجمی، دیباچہ، مشمولہ: جوکر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص ۵

۳۔ ایضاً، ص ۷

۴۔ ڈاکٹر سلیم اختر، تین بڑے نفسیات دان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء ص ۱۴۱

۵۔ ڈاکٹر شافع قدوائی، فکشن مطالعات: پسِ ساختیاتی قرأت، محولہ بالا، ص ۱۹۳

۶۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ ء، ص ۱۹۴

۷۔ اشعر نجمی، جوکر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۲۲ء، ص ۴۵

۸۔ ایضاً، ص ۸، ۹

۹۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۰۔ گوپی چند نارنگ، ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات، محولہ بالا، ص ۱۸۱، ۱۸۲

۱۱۔ قاسم یعقوب، لفظ اور تنقید معنی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۷ء، ص ۲۰

۱۲۔ اشعر نجمی، جوکر، محولہ بالا، ص ۹

۱۳۔ اشعر نجمی، جوکر، محولہ بالا، ص ۱۸